مصادرِ سیرت میں 'زادالمعاد' کا مرتبہ

——— ڈاکٹرسید عبدالباری

امام ابن قیمؒ اسلام کی علمی تاریخ کا ایک درخشاں نام ہے۔ 'زادالمعاد فی ہدی خیر العباد' ،سیرت کے ذخیرہ میں گراں بہا اضافہ ہے۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک پہلو کو قرآن مجید، کتب حدیث اور کتب سیرت کے حوالے سے انتہائی تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سے آپؐ کی سیرت اور آپ کی تعلیمات دونوں بہت تفصیل سے ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ان سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس حیثیت سے اسے کتب سیرت میں انفرادی مقام حاصل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا موضوع ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ قرآن کریم کے بعد آپؐ کی سیرت اور آپ کے ارشادات اسلامی فکر کے بنیادی مآخذ ہیں۔ اصحاب رسول اکرم ﷺ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں پر لکھی گئیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے مطابق سیرت پر صرف عربی کتابوں کی تعداد انتیس ہزار (۲۹۰۰۰) سے زائد ہے۔ اردو زبان میں پچیس (۲۵) تیس (۳۰) ہزار کے قریب کتابیں سیرت پر لکھی جا چکی ہیں اور اگر انگریزی اور دیگر زبانوں کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تعداد ڈیڑھ لاکھ سے اوپر پہنچ جائے گی۔ (محاضراتِ سیرت، اریب پبلیکیشنز نئی دہلی، ص ۷۵۰)، چنانچہ اس وادی میں قدم رکھنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں سوانح عمری یا بایو گرافی بے حد مقبول صنف ہو رہی ہے اور کسی بھی انسان کے، خواہ وہ کتنا ہی عظیم ہو، احوالِ زندگی لکھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن اس فن کے تقاضوں کو بہت کم لوگ پورا کر پاتے ہیں۔ انگریزی ادب میں مشہور سوانح نگار باسول کی 'لائف آف ڈاکٹر جانس' خاصی شہرت رکھتی ہے۔ باسول نے تحریروں، تقریروں، مجلسی گفتگوؤں، مذاکروں اور مکالموں کی مدد سے ایک دل نواز پیکر لا کھڑا کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے 'محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند اوراق' میں اپنے ہیرو کی نہایت موثر پیرائے میں عکاسی کی ہے۔ اڈمنڈ گوز کے الفاظ میں سوانح حیات زندگی کے سفر میں کسی روح کی سچی تصویر ہے۔ یہاں صرف ایک شخص کے حالات کو سلسلہ وار بیان کرنا کافی نہیں، بلکہ انتخابِ واقعات کی بنیادی اہمیت ہے۔ یعنی کون سے واقعات ہیرو کی زندگی کے مرکزی نقطے اور اس کے اصل مشن کو نمایاں کرتے ہیں۔ سوانح حیات کو ناول کے انداز میں دل کش و فرحت بخش ہونا چاہیے۔ زندگی کے صحیح خدو خال سامنے آئیں اور ہیرو کی جیتی جاگتی تصویر آنکھ کے سامنے آجائے۔ اختصار و جامعیت لازمی ہے۔ واقعات کے انبار میں اپنے موضوع کی مناسبت سے انتخاب بھی ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔

سیرت سرور عالمؐ کا معاملہ عام انسانوں کی سوانح سے کافی مختلف ہے۔ یہاں ہم ایسی شخصیت پر قلم اٹھاتے ہیں جس کی زندگی کے ایک ایک عمل میں حکمت و موعظت کا سمندر پوشیدہ ہے۔ چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ کے سیرت نگار کا قلم اٹھتا ہے تو اس کے لیے اخذ و انتخاب کا معاملہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔ واقعات کی کانٹ چھانٹ اور قطع و برید سخت دشوار ہوتی ہے۔ جب ہم ایسی کان میں پہنچ جائیں جہاں ہر طرف ہیرے ہی ہیرے بکھرے ہوئے ہوں تو پھر انسان کی قوتِ انتخاب جواب دے جاتی ہے۔ لیکن سیرت نگار بہر حال واقعات کے اوپر قابو پا کر اور ان کی حسنِ ترتیب سے ایک مربوط شخصیت کے عرفان تک ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث دونوں رسول اکرم ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات کا

مخزن ہیں۔ محدثین کا زور آپؐ کے ارشادات، افعال و اعمال اور 'تقاریر' پر ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا چیز اسلام کے مزاج کے مطابق ہے اور کیا خلاف ہے؟ کیا چیز سنت کہلائے گی اور کیا اس کے خلاف ہے؟ سیرت نگار آپؐ کے ذاتی طرز عمل، شخصیت اور رویہ پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں ''سیرت میں ذات وشمائلِ رسول اصلاً زیر بحث آتے ہیں اور اقوال و افعال پر ضمناً بحث ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ 'سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے، جس میں سعادت دارین ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے لیے سعادت کا طالب ہے، اپنا خیر خواہ ہے، وہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ کے معاملات سے آگاہی حاصل کرنے کا پابند ہے''۔ (محاضراتِ سیرت، ص: ۲۷)

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ اپنی کتاب **عجالۂ نافعۃ** میں سیرت کی یہ تعریف کرتے ہیں:

> 'رسول اکرم ﷺ کے وجود گرامی سے جو کچھ بھی متعلق ہے، آپ کے صحابہ کرامؓ، اہل بیت اور آل (اولاد) سے جو بھی چیز تعلق رکھتی ہے، رسول اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے آپؐ کے دنیا سے جانے تک، ان سب کی تفصیل کو اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں 'سیرت' کہتے ہیں''۔ (محاضرات سیرت، ص:۱۹)

رسول اکرم ﷺ کے اولین سیرت نگاروں میں عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ کا اسم گرامی آتا ہے، جن کی تصنیف کو مغازی کہا جاتا ہے اور سیرت بھی۔ بعد میں مغازی اور سیرت الگ الگ موضوعات قرار پائے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی ''آج علم سیرت ایسا وسیع اور جامع علم ہے جس کے متعدد شعبے ہیں۔ علم سیرت کا کینواس اس قدر وسیع ہے کہ اس میں پورے اسلامی تمدن اور تاریخ کے مرحلۂ آغاز، رسول اللہ کے پورے پیغمبرانہ کیریر کا ایک لینڈ اسکیپ ملتا ہے۔ (محاضرات سیرت، ص:۲۲)

مسلمان سیرت نگاروں کو رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں

بدگمانی پیدا کرنے اور تاریخی حقائق کو توڑنے مروڑنے کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے بھی مسلسل لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ دسویں صدی ہجری تک آتے آتے سیرت کی کتابیں دس دس بارہ بارہ جلدوں میں لکھی جانے لگیں اور آپ کی ذات گرامی سے متعلق کوئی بات چھوٹنے نہیں پائی، حتی کہ آپ کے استعمال میں کتنے گھوڑے تھے؟ کتنی اونٹنیاں تھیں؟ اس پر بھی تفصیل سے لکھا گیا۔ غرض رسول اکرم ﷺ سے متعلق معلومات کی وسعت و فراوانی کا یہ عالم ہے کہ ایک سیرت نگار کے لیے یہ بڑا مشکل امر ہے کہ کیا چیز بیان کرے اور کیا چھوڑ دے؟ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت نگاری سے ہی علم تاریخ کا آغاز ہوا۔ آپؐ سے پہلے تاریخ نویسی خرافات، اساطیر اور غیر مرتب مواد پر مشتمل تھی۔ (ص ۴۲)

رسول اکرم ﷺ نے ایک بدوی معاشرہ میں ایک نہایت مختصر عرصہ میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ انھیں ایسا مہذب اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا چلتا پھرتا نمونہ بنا دیا کہ دنیا آج تک حیرت میں ہے۔ مدینہ کی آٹھ سالہ تربیت نے کیسے یہ انقلاب برپا کیا؟ اس کی تفصیلات کا پتہ لگانا ایک سیرت نگار کا فریضہ ہے۔ بقول علامہ اقبال ”کس طرح اس مختصر عرصہ میں توحید ایک زندہ قوت بن گئی؟ اور کیسے اس کے ثمرات ہر طرف پھیل گئے؟ یہ بڑا فکر انگیز موضوع ہے، جس پر سیرت نگار کی توجہ مرکوز ہوتی ہے“۔ ہر طرف رگ رگ میں رچے بسے شرک کی جڑ بنیاد سے ختم کر دینا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا اور آج تیرہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی سیکولرزم اور لامذہبیت کی آندھی میں بھی بہ ظاہر کوئی مسلمان لاکھ سیکولر بننے کی کوشش کرے، لیکن اس کے خمیر میں اور اس کے ضمیر کے دریچوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے چراغ کی روشنی کبھی نہ کبھی بھڑک اٹھتی ہے۔

سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان، قبیلہ، اولاد، خادم خادمائیں، آپ کے عادات و خصائل، ازواج مطہرات، آپؐ کے غلام، آپؐ کے اسلحے، جانور، حتی کہ آپؐ کے لباس اور نعلین مبارک پر بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔ بہ قول محمود احمد غازیؒ

”آپ کے نعلین مبارک پر پچاس (۵۰) کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے ملک کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں دسویں صدی عیسوی میں شیخ ابوجعفر دیبلی نے رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور دستاویزات پر ایک کتاب لکھی۔ دیبل اس عہد میں کراچی کا قدیم نام تھا، یا سندھ کی کوئی بستی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں ان کا انتقال ہوا“۔(ص ۸۵)

طب نبویؐ، لوک سیرت، تعلیماتِ سیرت، روحانیاتِ سیرت، ادبیاتِ سیرت، اجتماعیاتِ سیرت، نفسیاتِ سیرت، دلایلِ نبوت، جغرافیہ سیرت اور مصادر سیرت پر بہ کثرت کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان موضوعات اور دیگر پہلوؤں پر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں لاکھوں صفحات لکھے گئے۔ہم محض اندازے سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے،صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس کے حبیبؐ کی سیرت اور پیغام پر کتنا اور کیا کچھ لکھا گیا اور آئندہ کتنا لکھا جائے گا۔ اس سارے ذخیرہ کو متعین اسالیب میں تقسیم کرنا بڑا دشوار ہے۔(ص۱۹۶)

اس وقت سیرت پر ساتویں صدی ہجری کے ممتاز صاحب قلم علامہ ابن قیمؒ کی معرکہ آرا تصنیف ’زاد المعاد‘ سامنے ہے۔ علامہ ابن قیمؒ دمشق میں ۶۹۱ ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ علامہ ابن تیمیہؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، جو ان کے زندگی بھر کے ساتھی تھے، ان کے ساتھ قید خانے میں بھی رہے اور میدانِ جہاد میں بھی ان کا ساتھ دیا اور علم وفکر کی ان بلندیوں تک پہنچے کہ قاضی برہان الدین کے الفاظ میں ”اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے وسیع العلم نہ تھا“۔ وہ فن تفسیر میں ماہر اصول، دین کے رمز شناس تھے، حدیث وفقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ استنباط واستخراج مسائل میں یکتائے روزگار تھے، آدابِ سحر گاہی سے آشنا، صبر وشکر کے زیور سے آراستہ،شعروادب کا اعلیٰ مذاق رکھنے والے تھے۔ انھیں متعدد علوم میں مہارت حاصل تھی، خاص طور پر علم تفسیر اور علم حدیث میں پایے کے عالم تھے۔ انھوں نے اپنے استاد ابن تیمیہؒ کی علمی خدمات کی توسیع واشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔انھوں نے درجنوں کتابیں لکھیں،جن میں تہذیب سنن ابی داؤد، اعلام الموقعین ،مدارج السالکین اور زاد المعاد کو فوقیت حاصل ہے۔ انھیں سنت

رسول اللہ سے خاص شگفتگی تھی، چنانچہ جو چیز بھی انھیں کتاب وسنت کے خلاف نظر آتی اسے مٹانے کی پوری کوشش کرتے۔ سعید احمد قمر الزماں کے بہ قول: ''انھوں نے آں حضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کو ایسے انداز میں پیش کیا جو ایک مسلمان کے لیے اسوۂ حسنہ، دلیل منزل، شمع راہ، اسلامی تعلیمات اور ہدایات کا مکمل نمونہ ہو''۔ یہ سچ ہے کہ زاد المعاد کتب سیرت کے بحر زخّار میں سرفہرست رکھی جانے کے لائق ہے۔ مصنف نے سرکار دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ کو بہ طور اسوہ ونمونہ پیش کیا ہے اور اس میں وہ کام یاب ہوئے ہیں۔

زاد المعاد میں ایک سو آٹھ (۱۰۸) ابواب میں جن موضوعات پر شرح و بسط اور معتبر حوالوں کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے ان میں رسول اکرم ﷺ کی عبادات، آپؐ کا انداز بیان اور گفتگو کا طریقہ، گھر میں داخل ہونے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ، سلام کا طریقہ، دوران سفر اسوۂ حسنہ، وساوس کے متعلق سنت طیبہ، غصہ کے وقت کی تعلیمات حسنہ، جہاد وغزوات میں اسوۂ حسنہ، دعوت اسلام کا اسلوب، معراج و ہجرت کا واقعہ، مسجد نبویؐ کی تعمیر، قیدیوں کے ساتھ معاملۂ امان، صلح اور جزیہ میں اہل کتاب ومنافقین کے ساتھ معاملہ، غزوۂ بدر، احد، خندق کے واقعات، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر وحنین کے واقعات، فتح مکہ، غزوۂ تبوک کا ذکر، آپؐ کا طریقۂ جسمانی علاج، آپؐ کا حفظان صحت میں اسوۂ حسنہ، غرض آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اور اس سے متعلق احکام پر گفتگو کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے 'محاضرات سیرت' میں زاد المعاد کو فقیہانہ اسلوب میں ایک معرکہ آرا کتاب قرار دیا ہے۔ اگرچہ دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے ابتدائی عہد تک سیرت نگاری کا فن نقطۂ عروج تک پہنچ رہا تھا۔ محمد بن اسحق، محمد بن عمر واقدی، محمد بن سعد اور عبد الملک بن ہشام جیسے سیرت نگار پیدا ہوئے۔ واقدی بہت بڑے فقیہ و قاضی تھے۔ دوسری صدی ہجری کے اس سیرت نگار نے بہ قول خطیب بغدادی، مشرق سے مغرب تک دنیائے اسلام کے لوگوں سے کسبِ

فیض کیا۔ خوبی یہ تھی کہ صرف مؤرخ اور سیرت نگار کی طرح ان سارے واقعات کا مکمل نقشہ پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فقیہ و قانون داں کا کردار بھی ادا کیا اور حضور ﷺ کے ہر عمل کی روشنی میں بین الاقوامی قانون کے قواعد وضوابط وضع کیے۔ مغازی اور سیرت نبویؐ کے بارے میں تمام مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ مغازی کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا کوئی اور نہ تھا۔

آٹھویں صدی ہجری تک آتے آتے فن سیرت نگاری عروج کی آخری منزلوں تک پہنچ گیا اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد جیسی اعلیٰ درجہ کی کتاب تصنیف کی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بارے میں بجا طور پر رقم طراز ہیں: ’’یہ کتاب نہ صرف سیرت میں، بلکہ شاید ادبیاتِ اسلامی کی چند منتخب روزگار اور مایہ ناز کتابوں میں سے ہے۔ اس طرح کی کوئی اور کتاب پورے سیرت لٹریچر میں موجود نہیں ہے۔ علامہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کا غیر معمولی تفقہ ان کی کتاب ’اعلام الموقعین‘ سے ظاہر ہے۔ بہت بڑے محدث تھے۔ ابن تیمیہؒ کے قریب ترین، بلکہ سب سے نمایاں شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا مطالعۂ قرآن اتنا غیر معمولی تھا کہ اس کے بعض ایسے پہلوؤں پر ان کی کتابیں ہیں جن پر پہلے کسی نے نہیں لکھا۔ قرآن پاک کی بدائع پر، اقسام پر، امثال پر بہت عالمانہ انھوں نے کام کیا ہے۔ زاد المعاد میں سیرت کے تمام واقعات کو جمع کرکے یہ بتایا ہے کہ زندگی کے مختلف گوشوں کے بارے میں عام مسلمانوں کے لیے اس میں کیا ہدایات ہیں؟ حقیقت کے اعتبار سے سیرت اور فقہ کو اس طرح سے ملا دیا ہے کہ دونوں کو الگ کرنا اس کتاب کی حد تک تو ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ سیرت کے ہر واقعہ کو فقہ کے حکم سے جوڑا ہے اور فقہ کے ہر حکم کو سیرت سے وابستہ کیا ہے۔ اس طرح فقہیاتِ سیرت کی سب سے اونچی کتاب اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ (ص ۲۹۰)

امام غزالی نے فقہ النفس کی اصطلاح استعمال کی ہے، یعنی انسانی نفسیات کا علم، انسانی رجحانات کا اندازہ، مزاج و طبیعت کی تحقیق اور مطالعہ۔ اس موضوع پر علامہ ابن قیمؒ کی کتاب لاجواب ہے۔ انھوں نے، بہ قول ڈاکٹر محمود احمد غازی، سیرت

کے حوالے سے بعض ایسے حقائق بیان کیے ہیں جن کی پہلے کسی نے اس انداز سے وضاحت نہیں کی۔ (ص ۲۹۰) ابن قیم نے روحانیت اور تصوف کے بعض اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً توکل کے موضوع پر وہ اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں ،یعنی توکل کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں؟ ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسباب اختیار کیے۔ صحابہ کرام بھی توکل کی اونچی منزل پر تھے، لیکن وہ اسباب سے غافل نہیں ہوئے۔ ابن قیمؒ نے ان تمام پہلوؤں پر سیرت کی روشنی میں غور کیا ہے اور بڑی متوازن رائے قائم کی ہے۔ جگہ جگہ توکل، صبر اور شکر جیسے عنوانات پر سیرت کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

اس کتاب میں سیرت سے متعلق کوئی موضوع چھوٹا نہیں ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ رہ نہیں گیا ہے۔ نماز، عبادات، خاندانی زندگی، پرائیویٹ لائف، تجارت، بین الاقوامی تعلقات، لین دین اور جنگ کے پہلوؤں پر رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ انسان کی معاشرتی، اجتماعی زندگی اور تہذیب وثقافت کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ غرض تمام ضروری فقہی معلومات حضورؐ کے شب و روز کی روشنی میں مہیا کرائی گئی ہیں۔ صاحب 'محاضرات سیرت' نے بجا طور پر زاد المعاد کی تحسین کے ضمن میں لکھا ہے: "اس کتاب کو پڑھنے سے یوں لگتا ہے، جیسے یہ ایک سہ آتشہ ہے، جو ابن قیم نے تیار کیا ہے۔ اس میں سیرت کی پاکیزگی بھی ہے۔ سیرت پڑھتے وقت انسان اپنے دل میں جو روحانی لذت محسوس کرتا ہے وہ تو ہے ہی، اس میں حدیث کے فن کو اور استناد کو پورے طور پر شامل کر دیا گیا ہے۔ ابن قیم خود بڑے محدث ہیں۔ کسی ایک لفظ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ غیر ذمہ دارانہ طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ایک بیان محدثین کے مکمل احتیاط کا نمونہ ہے۔ فقہ النفس، فقہ المعاملات، فقہ السیر ۃ، ان میں سے ہر چیز کے بارے میں ایسے توازن سے بیان کیا ہے جس میں محدثین کی باریک بینی، فقہا کی جزرسی اور اعتنا بالتفصیل اور اصحاب سیرت کا ساجذبۂ حب رسول، یہ ساری چیزیں بہ یک وقت موجود ہیں۔ (ص ۲۹۲)

زاد المعاد ایک صاحب بصیرت اور دین کا گہرا فہم رکھنے والے مصنف کا کارنامہ ہے۔ ان کا انداز یہ ہے کہ پہلے سیرت کا واقعہ بیان کرتے ہیں، پھر اس واقعہ سے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں، پھر ان احادیث سے نکلنے والے فقہی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ’**فصل فی فقه هذا الباب**‘ کے عنوان کے تحت اس باب کے اصل فہم اور درک پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اس میں کیا کیا حکمتیں موجود ہیں؟ یعنی دروس و بصائر اور عبرتیں کیا ہیں؟ اور اس کے دقیق پہلو کیا ہیں؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ایک روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہودیوں نے کیوں روزہ رکھا ہے؟ جواب دیا گیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی تھی تو شکرانہ کے طور پر وہ روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی نجات اور کام یابی کی یاد میں روزہ رکھنے کا زیادہ حق تو ہمیں حاصل ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا: تم بھی روزہ رکھا کرو۔ یہ ایک طویل روایت ہے۔ اس وقت سے مسلمان عاشوراء کا روزہ رکھتے چلے آرہے ہیں۔ پہلے یہ فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے آئے تو عاشوراء کے روزہ کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لیکن شروع سے یہ سوال زیر بحث رہا ہے کہ مسلمان جو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو اس کی تاریخ کیا ہے؟ عام طور پر مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ دس محرم کو عاشورہ ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ محرم صفر عربی مہینے ہیں۔ یہودیوں کے یہاں یہ کلینڈر رائج نہیں ہے۔ یہودی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عاشورہ ان کے کلینڈر کے مطابق پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ ہے۔ اس دن حضرت موسیٰؑ کی قوم کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کیا یہودی سال کے پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ تھی؟ رسول اللہ ﷺ تو ربیع الاول میں تشریف لائے تھے۔ اب یہ بحث بہت عرصے تک رہی ہے کہ عاشوراء کے روزے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہودیوں کا دس تشری کا روزہ مراد ہے یا دس محرم مراد

ہے؟ بہت سے لوگوں کی رائے ہے کہ اس سے دس محرم مراد ہے۔ بہت سے لوگوں کی رائے میں دس محرم مراد نہیں۔ دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ ابن قیم نے اس بحث کو زاد المعاد میں شامل کیا ہے اور اپنی رائے دی ہے۔ اسی طرح اور واقعات، جو اصلاً سیرت کے واقعات ہیں، لیکن ان سے کسی فقہی معاملہ کو سمجھنے اور طے کرنے میں مدد ملتی ہے، اس لیے ابن قیم نے ان سے بحث کی ہے'' (ص ۲۹۳)

زاد المعاد میں جہاد و مغازی پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور پوری ایک جلد اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ کافی ضخیم جلد ہے اور اس کے متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ عنوان تاریخ اسلام میں کافی موضوع گفتگو رہا ہے۔ مغرب نے اور کچھ کم فہم لوگوں نے جہاد کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ عصر رواں میں مغرب کے کچھ اسلام دشمن عناصر نے جہاد کو دہشت گردی اور بے قصوروں کے قتل عام کے ہم معنیٰ قرار دیا ہے۔ بیسوی صدی کے آغاز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے 'الجہاد فی الاسلام' جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر جہاد کی پاکیزہ روح کو واضح کیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لفظ جہاد کے تناظر میں جہاد بالنفس، جہاد بالشیطان، جہاد بالکفار اور جہاد بالمنافقین پر احادیث کی روشنی میں الگ الگ تشریحات کی ہیں۔ جہاد کیسے ہوتا ہے؟ اور کیسے ہونا چاہیے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے واقعات بھی لکھے ہیں اور قانون بھی بیان کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے پبلک انٹرنیشنل لا اور پرائیویٹ انٹرنیشنل لا کی وضاحت کی ہے۔ مغرب کا یہ خیال کہ انھوں نے سب سے پہلے پرائیویٹ انٹرنیشنل لا کا تصور دنیا کو دیا، یعنی کسی ملک کے اندر دو ممالک کے قوانین کے اندر تعارض کی شکل میں کیا موقف اختیار کیا جائے؟ اس پر سب سے پہلی کتاب ابن قیم کی ہے جو بحث کرتی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے '**احکام اھل الذمۃ**'، جو کہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل اٹھائے گئے ہیں جو پرائیویٹ اور انٹرنیشنل لا میں اٹھائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر، بہ قول ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، ان کی کتاب قدیم ترین اور مستند ترین

ہے۔ انھوں نے مغازی سے جس طرح کے احکام نکالے ہیں وہ شاید کوئی اور سیرت نگار نہیں نکال سکتا۔ (ص ۲۹۵) تقریباً چھ سو (۶۰۰) صفحات میں مغازی، جنگوں اور مہمات کی تفصیل بیان کی ہے۔ پچھلے چھ سو سالوں کا سارا کام ان کے پیش نظر تھا۔ اس لیے ان کا ایک ایک لفظ مستند ہے۔ انھوں نے اس معاملے میں ممتاز سیرت نگار واقدی سے کافی استفادہ کیا ہے اور غزوات کی تفصیلات احادیث سے اخذ کی ہیں۔

اس کتاب میں روحانیاتِ سیرت کا ایک پہلو خاصا دل کش ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مزکّی و مربی تھے۔ اگرچہ وہ فوجیوں کی قیادت کرتے تھے، حکومت کے سربراہ تھے، سفیروں و گورنروں کی تقرری کرتے تھے، لیکن آپ کا بنیادی مشن تربیت، اخلاق اور کردار سازی تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کو ایسے افراد حاصل ہوئے تھے جو حکومت و اقتدار کی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی اٹھا سکتے تھے۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں تزکیۂ نفس کو جگہ جگہ موضوعِ گفتگو بنایا ہے اور سرکار دوعالم ﷺ کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے اسلوب پر روشنی ڈالی ہے۔ انسان کی روحانی بلندی کے کیا مسنون طریقے ہیں؟ اور کون سی چیزیں اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہیں؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ زاد المعاد میں حضور ﷺ کے شق صدر کے واقعہ پر انھوں نے تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے شرح صدر کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے، یعنی شرح صدر سے کیا مراد ہے؟ شق صدر کیسے ہوا؟ اور اس کے اسباب کیا تھے؟ کیسے حضور ﷺ کے سینے کو کھولا گیا؟ (**الم نشرح لک صدرک**) سینے کو کھولنے کی کیا شکل ہے؟ یہ صوفیہ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ زاد المعاد میں ابن قیم نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس سے ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں سیرت کے روحانی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

غرض ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد، صاحب 'محاضرات سیرت' کے الفاظ میں، بہ یک وقت حدیث، فقہ، سیرت، روحانیت اور تصوف سمیت ہر فن کی کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے سیرت کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے روز مرہ کی زندگی کے لیے مفصل رہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کا چھینکنے کا

طریقہ، عقیقہ کا طریقہ، قربانی کے جانور کے انتخاب کا طریقہ، گھر میں داخل ہونے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ، سلام اور اس کے جواب کا طریقہ، خواب دیکھنے کے متعلق اسوۂ حسنہ، وساوس کے متعلق سنت طیبہ، غصہ کے وقت تعلیمات حسنہ، آپ کے نزدیک ناپسندیدہ الفاظ وکلمات، ہدایا وتحائف قبول کرنے کا طریقہ وغیرہ۔

زادالمعاد کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں ''یہ کتاب کتب خانے میں بیٹھ کر نہیں'' بلکہ حالت سفر میں لکھی گئی ہے۔ غالباً وہ حج کرنے جارہے تھے، اس دوران میں اسے تحریر فرمایا۔'' اس وقت لوگوں کے حافظے کا کیا عالم تھا؟ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ہمارے محدثین کا حافظہ ایسا تھا کہ وہ اپنی یادداشت سے علم رجال اور روایات کا دریا بہا دیتے تھے۔

سیرت کے بہت سے امور کا تعلق علم کلام سے ہے، یعنی ان کے معانی کی گرفت کے لیے علم کلام کی مدد حاصل کرنی ہوتی ہے اور اس کے مباحث میں گئے بغیر ان کی گرفت مشکل ہوتی ہے۔ ان امور میں نبوت ورسالت کی حقیقت، وحی کی حقیقت، ختم نبوت، کلام الٰہی کی حقیقت، معجزات ومعراج کی حقیقت، مسئلہ عصمت انبیاء وغیرہ۔ تیسری صدی ہجری سے سیرت کے واقعات وموضوعات کا عقلی انداز سے مطالعہ کیا جانے لگا۔ ان دنوں یونانی علوم کے بڑے پیمانے پر عربی میں تراجم ہوئے۔ مسلمان اہل علم یونانی فلسفہ ومنطق سے متاثر ہوئے اور بہت سے معاملات پر یونان کے اسلوبِ غور وفکر اور انداز بیان استدلال کو اختیار کرنے لگے اور بڑے پیمانے پر اہل علم میں یونانی فکر وفلسفہ سے مرعوبیت نمایاں ہونے لگی اور اسلامی عقائد کے بارے میں سوالات اٹھائے جانے لگے۔ اس وقت علماء اسلام نے اعتراضات کا جواب دیا اور یہ بحث سیرت کے عام تاریخی وفقہی اور قانونی امور کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ چنانچہ نبوت ورسالت کے دلائل وشواہد پر تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا اور خالص عقلی دلائل کی روشنی میں وحی والہام اور نبوت ورسالت پر گفتگو شروع ہوئی اور یہ بحثیں سیرت نگاری کا حصہ بن گئیں۔ امام غزالیؒ نے اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے، جنھوں

نے خالص دینی مصادر سے کام لے کر عقلی دلائل و اسلوب سے روحانیات و اخلاقیات کو جامع انداز میں پیش کیا۔ ان کی کتاب 'معارج القدس' فلسفۂ نبوت اور وحی و الہام کے بارے میں انتہائی وقیع کارنامہ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے مذکورہ بالا مسائل پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ انھوں نے صاحب 'محاضرات سیرت' کے الفاظ میں، سیرت کی علمی رہ نمائی، سیرت کی فقہیات، سیرت کی روحانیات اور قانونیات پر مفصل گفتگو کی۔ کلامیاتِ سیرت کے بہت سے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات، خاص طور پر معراج اور اسراء کی نوعیت و کیفیت کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ یہ مسئلہ خاصا زیر بحث رہا ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ کچھ لوگوں نے معراج کی نوعیت کو بس ایک خواب قرار دیا ہے، یعنی جس طرح لوگ خواب دیکھتے ہیں، اس طرح حضور ﷺ نے بھی خواب دیکھا اور آپ کو وہ سارے مناظر دکھائے گئے۔ لیکن علماء امت کا غالب ترین طبقہ اس کا قائل رہا ہے کہ معراج کا واقعہ کوئی خواب نہیں تھا، ورنہ پھر اسے معجزہ کیوں قرار دیا جاتا؟ قرآن حکیم میں اسے غیر معمولی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا: "پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو اس مسجد تک لے گیی"۔ لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس رات آپ کا جسم موجود رہا۔ ابن قیمؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور نفسیات، روحانیات، عقلیات و منطق کے دلائل سے بتایا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے کہ آپ کا جسم مبارک موجود رہا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک کو لے جایا گیا تھا۔ اس صورت میں بھی یہ خواب سے بہت مختلف چیز ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے کوشش کی ہے کہ ان تمام احادیث کو جمع کر دیں جو معراج کو خالص جسمانی واقعہ قرار دیتی ہیں اور ان احادیث سے اس کی تطبیق کریں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں، جن میں اس کو روحانی واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ اس روحانی واقعہ کو خواب سے قطعاً مختلف قرار دیں اور دونوں میں جو عظیم فرق ہے اس کو واضح کریں۔ اس ضمن میں انھوں نے نفس و روح پر

عمدہ بحث کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انبیائے کرام کے جسم مبارک کا ان کی روح سے کس نوعیت کا تعلق ہوتا ہے۔ ابن قیمؒ کی ذہانت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ وہ نفسیات، روحانیات، کلام اور فلسفہ کا دل کش امتزاج پیش کرتے ہیں۔ کلامیاتِ سیرت پر بیسویں صدی میں سب سے عمدہ کتاب سیرت النبیؐ ہے، جسے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاد علامہ شبلی نعمانیؒ کے نقش قدم پر چل کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ ایک ممتاز فقیہ بھی تھے۔ ان کے اس علم نے زاد المعاد کا رتبہ دیگر کتبِ سیرت سے بالاتر کر دیا ہے۔ فقہ سے مراد ہے گہرا اور عمیق فہم۔ ایک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ اسے قرآن پاک کا، آپؐ کی سنت مبارک، آپؐ کی سیرت طیبہ کا گہرا فہم ہو، تاکہ شریعت کے قوانین و احکام کی وضاحت کر سکے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں ''بیسویں صدی عیسوی میں مطالعۂ سیرت کا ایک نیا انداز 'فقہ السیرۃ' کے عنوان سے سامنے آیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ سیرت کے واقعات و تفصیلات میں جو سبق پنہاں ہیں ان کو نمایاں کیا جا سکے۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مستند کتاب علامہ ابن قیمؒ کی زاد المعاد ہے۔ انھوں نے سیرت کے تمام پہلوؤں کو ایک ایک کر کے بیان کر دیا ہے، پھر ان سے جو فقہی احکام نکلتے ہیں وہ بیان کیے ہیں۔ جو دروس اور عبرتیں کسی سبق میں پنہاں ہیں وہ بیان کی ہیں۔ حتیٰ کہ غزوات کے بیان کے بعد جنگی قانون کے احکام تو نکالے ہی ہیں، معاہدات اور صلح کے احکام بھی بیان کیے ہیں، جزوی اور انفرادی معاملات کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ بہت سے اخلاقی پہلو بھی بیان کیے ہیں''۔

مثال کے طور پر غزوۂ احد کے واقعات لکھنے کے بعد وہ سولہ (۱۶) احکام کی نشان دہی کرتے ہیں جو اس واقعہ سے نکلتے ہیں۔ پھر ایک باب میں انھوں نے اس غزوہ میں جو دروس اور عبرتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کی جو حکمتیں ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کی نوعیت و حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یعنی یہ فتح جنگ کے نتیجہ میں تھی یا صلح کے نتیجہ میں؟ دونوں شکلوں کے

الگ الگ احکام بیان کیے ہیں۔ اس معاملہ میں فقہاء نے الگ الگ موقف اختیار کیا ہے۔ غرض فہم سیرت کے موضوع پر یہ کتاب منفرد ہے۔

علامہ ابن قیمؒ حقائق و واقعات کے ایک مرقع نگار ہیں۔ اس کے لیے وہ ایک ایک جزوی بات کو بھی اس دل کشی سے بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا محو ہو جاتا ہے۔ عربی سے دیگر زبانوں میں ترجمہ کے بعد بھی وہ جاذبیت برقرار ہے جو اصل متن میں ہے۔ ہم نے بہت سی سوانح دیکھیں، سوانحی ناولوں اور خودنوشتوں پر بھی نظر ڈالی، ان میں وہ دل کشی کہاں جو ابن قیمؒ کے سراپا خلوصِ قلم سے نکلی ہوئی ان تفصیلات میں ہے جو وہ تاریخ کی سب سے دل کش شخصیت کے بارے میں پوری احتیاط سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں حقائق ہی حقائق ہیں، مبالغہ کا کوئی دخل نہیں، قیاسات اور داستان طرازی کی کوئی گنجائش نہیں، معتبر ترین راویوں کی بیان کی گئی تفصیلات ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ چھ سو سال سے یہ حضور ﷺ کی سب سے مقبول داستانِ حیات ہے۔ ایک دو اقتباسات سے آپ اس کی جاذبیت کا خود اندازہ کریں۔

> ”انصار نے جلدی جلدی ہتھیار سنبھال لیے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کا شایان شان استقبال کریں اور اہلا وسہلا مرحبا کی یہ آوازیں بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں گونجنے لگیں اور مسلمانوں نے آپؐ کی تشریف آوری کی خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور شان نبوت کے مطابق خوش آمدید کہا۔ انھوں نے پروانوں کی طرح آپ کو گھیر لیا۔ اس موقع پر آپ مکمل سکون وطمانینت سے تھے اور اس آیت کریمہ کا نزول ہو رہا تھا: **فان اللہ ھو مولٰہ وجبریل وصالح المومنین و الملئکۃ بعد ذلک ظھیر** (بے شک اللہ ہی اس کا رفیق ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔) اونٹنی بنونجار کے محلہ میں، جہاں آپ کا ننھیال تھا، جا کر رکی، حضرت ابو ایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور آپ کا کجاوہ اپنے گھر میں داخل کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا:“

آدمی اپنی سواری کے کجاوہ کے ساتھ رہتا ہے''۔ اس موقع پر قیس بن حرمہ نے جو اشعار کہے تھے اسے بھی نقل کیا گیا ہے۔

ابن قیمؒ اس کتاب میں زیادہ زورِ قلم فقہی پہلو پر صرف کرتے ہیں اور ایک واقعہ سے جو احکام حاصل ہوتے، ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً صلح حدیبیہ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد اس سے انھوں نے اکتیس (۳۱) احکام مستنبط کیے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ خیبر سے تیرہ (۱۳) احکام مستنبط کیے ہیں۔ اس طرح پوری کتاب سے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ زندگی کے مختلف امور میں کیا شرعی موقف ہے؟ اس کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

غرض زاد المعاد سیرت کے موضوع پر آٹھویں صدی ہجری کی ایک معرکہ آرا تصنیف ہے، جسے مصادر سیرت میں آج تک ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ سیرت کے موضوعِ گزشتہ چھ سو (۶۰۰) برسوں میں جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے، انھوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆☆